© rasailojaraid.com

فکر و نظر............ اسلام آباد　　جلد: ۴۵　　شمارہ: ۳

لاہور کی چند علمی مجالس کا تذکرہ

علیم اللہ عباسی لاہوری کے رسالہ دریائے روح و تیمّم نوح کے حوالے سے

ڈاکٹر عارف نوشاہی☆

جس طرح پردیس میں رہنے والے کو، اگراپنے وطن کا کوئی آدمی نظر آجائے یا کوئی ہم وطن آشنا مل جائے تو تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی، پردیسی اپنی غریب الوطنی کا رنج فراموش کر دیتا ہے اور وطن کی یادیں تازہ کرکے ایک عجیب راحت اور خوشی محسوس کرتا ہے، اسی طرح مخطوطات اور نوادر کے شائقین کو اگر وطن سے دور اپنے کسی ہم وطن مصنّف کی کوئی نادر تصنیف مل جائے تو اس سے خوشی سوا ہوتی ہے اور اگر یہ تصنیف غیر متعارف بھی ہو تو خوشی کا ٹھکانا ہی کیا۔ کچھ یہی کیفیت اُس وقت راقم السطور کی تھی جب ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء میں سفر عمرہ کے دوران مدینۂ منورہ کے مکتبہ ملک عبدالعزیز کے ذخیرۂ عارف حکمت میں اپنے ہم وطنوں کی تصانیف کے منتخب قلمی نسخے دیکھ رہا تھا اور نئی نئی چیزیں مل رہی تھیں، ایسی چیزیں، جن کا ہمیں اپنے وطن میں رہ کر کبھی علم نہ ہو سکا۔ اس کی تفصیل ایک دوسرے مضمون میں پیش کی گئی ہے۔[1] عارف حکمت کے ذخیرۂ مخطوطات میں لاہور کے ایک مصنّف علیم اللہ عباسی کا رسالہ دریاے روح و تیمّم نوح بھی نظر سے گذرا۔ مصنّف اور اس کی یہ تصنیف دونوں میرے لیے نئے تھے۔ جو چیز مزید خوشی کا باعث بنی وہ اس رسالہ کے مندرجات تھے۔ مصنّف نے اس میں اپنے اصل موضوع سے ہٹ کر دمشق میں بیٹھ کر لاہور اور ہندوستان سے وابستہ اپنی کچھ یادوں اور وہاں کی علمی مجالس کو تازہ کیا ہے۔ گویا وطن سے دور وہ وطن کا یادنامہ لکھ رہا تھا اور دل چسپ اتفاق یہ تھا کہ خود راقم السطور، وطن عزیز اور لاہور سے دور، مدینۂ منورہ میں اسے پڑھ رہا تھا۔ رسالے کے انھی دل چسپ اور اہم مندرجات کی بنا پر یہ مضمون لکھا جا رہا ہے۔

رسالہ دریاے روح و تیمّم نوح

ذخیرۂ عارف حکمت، مکتبہ ملک عبدالعزیز، مدینۂ منورہ میں اس قلمی نسخہ کا نمبر ۲۲ /۸۱۲ ہے۔ دیباچے میں مصنّف نے اپنا نام ہندوستان میں دوستوں کی یاد کے ساتھ یوں رقم کیا ہے:

☆ ادارۂ معارف نوشاہیہ، ۶۹ ماڈل ٹاؤن، ہمک، اسلام آباد، anaushahi_2000@yahoo.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''می گوید بندۂ فقیر پُر تقصیر ، العبد العاصی، علیم اللہ العباسی

کہ در بلاد ہندوستان کہ موطن محبان و مأوای دوستان است۔''(۲)

رسالہ کی تاریخ تصنیف کے بارے میں مصنف نے ایک مبہم سا اشارہ رسالے کے خاتمہ پر کیا ہے: ''روز احد، شہر شعبان بتاریخ غرّہ شہر مذکور این رسالہ مسمی بہ دریاے روح و تیمّم نوح تصنیفاً و تحریراً تمام شد۔''[۳] یعنی مصنّف نے صرف دن (اتوار) اور مہینہ (شعبان کی پہلی تاریخ) لکھا ہے۔ سال لکھنا بھول گئے ہیں۔ چونکہ مصنّف نے ایک جگہ آفرین لاہوری کا ذکر مرحوم کے طور پر کیا ہے، جن کا انتقال ۱۱۵۴ھ/۴۱-۱۷۴۰ء میں ہوا تھا اور خود مصنّف ۱۱۷۶ھ/۶۳-۱۷۶۲ء میں فوت ہوئے تھے، لہذا اس رسالہ کا زمانۂ تصنیف ۱۱۵۴- ۱۱۷۶ھ/۱۷۴۱-۱۷۵۳ء ہونا چاہیے۔

قلمی نسخے کا مقابلہ ۱۲۳۸ھ/۲۳-۱۸۲۲ء میں کیا گیاہے اور غالباً یہی تاریخ کتابت بھی ہے۔ ''تمت المقابلة علی قدر وسع ۱۲۳۸ ھ''۔ یہ نسخہ ۳۰ ورق میں بخط نستعلیق کتابت ہوا ہے۔ خط نہایت واضح اور پختہ ہے اور بغیر کسی دشواری کے پڑھا جا سکتا ہے۔ رسالے کے ابتدائی خالی صفحہ (ظہریہ) اور آخری صفحہ (ترقیمہ) پر صاحبِ ذخیرہ اور واقفِ نسخہ شیخ الاسلام عارف حکمت (۱۲۰۱-۱۲۷۵ھ) کی دو گول مہریں ثبت ہیں۔ ظہریہ اور ترقیمہ والے صفحہ پر ثبت شدہ مہر کی عبارت یہ ہے:

مما وقفه العبد الفقير الى ربّه أحمد عارف حكمة بن عصمة الله الحسيني

فی مدينة الرسول الكريم عليه و علی آله الصلاة و التسليم

بشرط ان لا يخرج عن خزانته ،والمؤمن محمول علی امانته ۱۲۶۶ھ

ورق ۲ الف اور ۲۶ب پر ایک چھوٹی گول مہر ثبت ہے، اس کی عبارت مختصر ہے:

وقف حكمة الله بن عصمة الله الحسيني۱۲۶۷

رسالہ دریائے روح و تیمّم نوح امیر خسرو دہلوی سے منسوب حسب ذیل معروف شعر کی صوفیانہ شرح ہے:

ز دریاے شہادت چون نہنگ ''لا'' بر آرد سر

تیمّم فرض گردد نوح را در عین طوفانش

مصنّف نے اس رسالے پر جو دیباچہ لکھا ہے وہ جداگانہ حیثیت کا حامل ہے۔ اس میں مصنّف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی سیر و سیاحت اور اس دوران ہونے والی ملاقاتوں کا ذکر ہوا ہے۔ لاہور میں شعر و ادب کی مجالس اور معاصر رجال کے تذکرے سے یہ دیباچہ دلچسپ بن گیا ہے۔ رسالے کے دوسرے حصے یعنی امیرخسرو سے منسوب بیت کی شرح کے ضمن میں بھی کئی رجال کا تذکرہ ہوا ہے۔ ان کا مختصر تعارف آگے آئے گا۔

دیباچے کا آغاز اس عبارت سے ہوتا ہے: ''سپاس بی قیاس مر حضرت پروردگار را کہ بحکم ''کنت کنزا مخفیا'' مکنونات عالم را از زاویۂ خفای بہ بیداء ظہور ''**فخلقت الخلق لا عرف** آوردہ''

شرح کا آغاز اس عبارت سے ہوتا ہے: ''**والحمد لله العلی العظیم والجواد الکریم البر الرؤف الرحیم**... اما بعد این رسالہ ایست در حل بیت بعضی محققان اہل معرفت و سالکان طریق ہدایت و غالب ظن آن کہ''

مصنّف کے حالات

مصنف، علیم اللہ بن عبدالرشید عباسی حنفی نقشبندی لاہوری، متخلص بہ علیم نے اس رسالے میں اپنے بارے میں جو معلومات بہم پہنچائی ہیں ان کے مطابق وہ صوفی جمیل بیگ کیمیاگر پشاوری[۴] کے مرید تھے،وہ مرید حافظ عبدالغفور پشاوری (م ۱۱۱۶ھ/۱۷۰۴ء) کے، وہ مرید شیخ سعدی لاہوری (م۱۱۰۸ھ/۹۷-۱۶۹۶ء) کے ، وہ مرید شیخ آدم بنوری (م:۲۳شوال۱۰۵۳ھ/۱۶۴۳ء) کے، وہ مرید حضرت شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانی (م:۲۸صفر۱۰۳۴ھ/۱۶۲۵ء) کے۔ مصنف شاعری میں شاہ فقیر اللہ آفرین لاہوری کے اور نقلی و عقلی علوم میں شیخ محمد افضل قادری کے شاگرد تھے۔ مصنّف سیر وسیاحت کے دلدادہ تھے۔ ایک دفعہ شیخ محمد فاضل کے ساتھ شیخ فرید الدین گنج شکر کی خانقاہ دیکھنے [پاک پٹن] گئے۔ حرمین شریفین اور روم (استنبول) کا سفر بھی کیا۔ آخر دمشق میں بس گئے اور یہ رسالہ وہیں لکھا۔[۵] مصنّف نے بتایا ہے کہ فریدون نے *تذکرۃ الشعراء* میں آفرین لاہوری کے حالات کے ضمن میں اس [یعنی علیم اللہ] کا تذکرہ آفرین کے شاگردوں کی صف میں کیا ہے۔[۶]

علیم اللہ عباسی لاہوری کا غالباًسب سے مفصّل تذکرہ سید محمد خلیل مرادی (۱۱۷۳-۱۲۰۶ھ) نے *سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر* میں ان کے بارے میں ''**شیخا عالما محققا مدققا فاضلا عارفا صوفیا**'' لکھ کر کیا ہے[۷] اور وہیں سے علامہ عبدالحی بن فخرالدین حسنی بریلوی (۱۲۸۶-۱۳۴۱ھ) نے *نزہۃ الخواطر* میں ان کے حالات نقل کیے ہیں۔ اس کے مطابق علیم اللہ علوم و تحقیق میں ید طولیٰ رکھتے تھے،ان کی تقریر اور بیان کردہ معانی،معارف الٰہیہ پر مشتمل ہوتے تھے۔ حسن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخلاق، تواضع اور بشاشت کی وجہ سے انھوں نے ہر خاص و عام کو اپنا گرویدہ بنا رکھا تھا۔ وہ متقی، صالح، فلاح پانے والے اور مسلک سادات پر چلنے والے تھے۔ ہندوستان میں انھوں نے اجل مشائخ اور اساتذہ سے کسبِ علم کیا تھا۔ شیخ نصر الحق قادری سے صرف و نحو اور منطق پڑھی؛ شیخ ابوالفتح محمد فاضل قادری سے سات سال تک درس لیتے رہے اور علوم و برکات حاصل کرتے رہے۔ شیخ محمد افضل شاہ پوری منطقی سے منطق و فلسفہ پر معروف کتب شمسیہَ قطب رازی، حاشیہَ سید شریف جرجانی، حاشیہَ ملا عبد الحکیم سیال کوٹی، شرح تہذیبِ جلال الدین دوانی مع حاشیہَ سید زاہد ہروی پڑھیں۔ شیخ عبدالکریم اویسی سے مثنوی مولوی پڑھتے رہے۔ اس کے علاوہ بھی ہندوستان میں ان کے کئی اساتذہ ہیں۔ جب حج اور زیارتِ مدینہ کے لیے آئے تو یہاں شیخ محمد حیات سندھی (م ۱۱۶۳ھ/۱۷۵۰ء) سے حدیث اور اصول حدیث سنے۔ پھر دمشق گئے، وہاں سے قسطنطنیہ [استنبول] گئے اور وہاں سے دوبارہ دمشق لوٹ کر محلہ قماحین [گندم منڈی]، باب سریجہ کے پاس ایک تکیہ میں سکونت اختیار کرلی۔ اہل دمشق ان کے بے حد معتقد تھے اور ان کا احترام کرتے تھے اور ان کی مجلس میں آکر فیض یاب ہوتے تھے۔ ان کی مجالس میں جو کچھ بیان ہوتا ،آداب و فضائل سے بھرپور ہوتا۔نہ صرف اربابِ معارف اور اہلِ حاجات، بلکہ کاملین بھی ان کے لطائف و نکات سے استفادہ کرتے۔ ان کے سامنے آلات موسیقی کے ساتھ اشعار پڑھے جاتے۔ سماعِ مزامیر کے حکم کے بارے میں جب ان سے سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا: ''یہ سماع دل میں کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتا بلکہ پہلے سے جو کچھ دل میں موجود ہوتا ہے اسے ہی متحرک کرتا ہے۔'' وہ جس مکان میں رہتے تھے وہیں درس و تدریس بھی کرتے، پھر انھیں مدرسہَ قمیریہ کا ناظم بنا دیا گیا۔ وہ سال میں ایک بار چالیس دن [چلہ] کے لیے کثیر جماعت کے ساتھ صالحیہ میں جبل قاسیون میں ''اربعین'' کے مقام پر جاتے۔ اِس وقت [یعنی تصنیف کتاب کے وقت] ان کے پوتے اور مرید بکثرت موجود ہیں۔ ان سے اتنے لوگ فیض یاب ہوئے کہ شمار ممکن نہیں ہے۔ وہ محققین صوفیہ میں سے نہایت نیک انسان تھے۔ ان کا انتقال ۱۱۷۶ھ[۶۳-۱۷۶۲ء] میں دمشق میں ہوا اور انھیں اسی تکیے میں دفن کیا گیا جہاں وہ رہتے تھے۔(۸)

اسماعیل پاشا بغدادی نے ان کا سال وفات تقریباً ۱۱۶۸ ھ/۱۷۵۵ء لکھا ہے۔(۹) یہ اس لیے درست نہیں ہوسکتا کہ خود علیم اللہ نے اپنے اس رسالہ میں ایک جگہ ۱۱۷۱ھ کے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

رسالہ دریائے روح وتتمیم نوح کے علاوہ علیم اللہ عباسی کی جو تصانیف معلوم ہوسکی ہیں، ان کے نام یہ ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ *الفوائدالافضلیۃ*[۱۰]، نام سے گمان ہوتا ہے کہ یہ رسالہ ان کے استاد شیخ محمد افضل قادری کے افادات پر مبنی ہو گا۔ اس کے بارے میں مزید کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

۲۔ *الفتوحات الانسیہ فی تحقیق رموز الصّوفیہ* (فارسی)، قلمی نسخہ مکتوبہ ۱۱۶۲ھ، ۱۴۶ ورق، کتب خانۂ سلیمانیہ، استنبول (ذخیرۂ قلیچ علی پاشا، شمارہ ۶۱۷)۔اس نسخے کو مصنّف نے بغرض اصلاح پڑھا تھا اور اس کے حاشیے پر بعض تحریریں بخط مصنّف ہیں۔

اس کے دیباچہ میں اپنا نام یوں لکھا ہے:''**علیم اللہ اللاھوری وطناًو العباسی نسباًو النقشبندی طریقۃً**''۔اور ایک دوسرے مقام پر علیم اللہ بن عبدالرشید لکھا ہے۔یہ رسالہ ۱۱۵۷ھ/۱۷۴۴ء کے لگ بھگ تصنیف ہوا کیوں کہ مصنّف نے خواجہ محمد پارسا کے ذکر میں لکھا ہے کہ فقیر نے مدینہ میں آج ۱۱۵۷ھ میں ان کی قبرزیارت کی ہے۔ہندوستان کے علاقوں میں سے کشمیر کی تعریف کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ وہ بحری راستے سے ہندوستان سے حجاز پہنچے تھے اور بیت اللہ اور روضۂ رسول کی زیارت کی۔مشائخ سے ا ستماع حدیث کیا۔حج سے بھی مشرف ہوئے۔اس کے بعد شام کی طرف چلے گئے اور وہاں تدریس کا شغل اختیار کیا۔وہاں عثمانی خلیفہ محمود خان کی تعریف سنی تو استنبول چلے گئے۔روم میں وہ شاہد بازی میں مبتلا رہے اور لوگوں کی طرف سے برا بھلا کہنے کا ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔اس موقع پرمصنّف نے عشق مجازی کے حق میں اور اکابر صوفیہ کی شاہد بازی کے متعدد واقعات پیش کیے ہیں۔مختلف سلاسل طریقت میں اپنی نسبتوں کا ذکر اس طرح کیا ہے:

سلسلۂ قادریہ شطاریہ میں سید محمد صالح (دوسری جگہ محمد صلاح شطاری) سے، انھیں اپنا پیر تلقین لکھا ہے؛

سلسلۂ چشتیہ قادریہ میں شیخ محمد افضل سہرندی (سرہندی) سے،انھیں اپنا پیر صحبت لکھا ہے؛

سلسلۂ سہروریہ میں شیخ الشیوخ کی روحانیت سے؛

سلسلۂ مولویہ میں مولانا جلال الدین رومی کی روحانیت سے؛

سلسلۂ نقشبندیہ میں میرزا صوفی جمیل بیگ پشاوری عرف کیمیاگر سے آخری عمر میں بیعت کی۔ انھیں اپنا پیر توحید لکھا ہے اور تصریح کی ہے کہ دست بیعت وہ صرف انھی سے تھے۔[۱۱]

اس رسالے کا مفصّل تعارف ایک الگ مقالے کا متقاضی ہے۔ان شاء اللہ کسی دوسری فرصت میں لکھا جائے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ *رسالۃ الصمدیہ فی طریقۃ النقشبندیہ* (عربی)، قلمی، ورق ۱۳۵۔۱۵۴، شمارہ ۴۹۵۸، دارالکتب الظاہریہ [نیانام: مکتبۃ الاسد]، دمشق (۱۲)

دارالکتب الظاہریہ، دمشق میں ۲ ورق کا ایک عربی مخطوطہ *شجرۃ الخلافۃ النقشبندیہ* از محمد بن الحاج محمد العطر، شمارہ ۹۶۶۵ موجود ہے(۱۳) جس میں مصنّف کہتا ہے کہ اس نے علیم اللہ لاہوری سے اجازت لی تھی اور علیم اللہ نے (ذکر اور تلقین کے لیے) صوفی جمیل بیگ سے اجازت حاصل کی تھی۔

مصنّف کا تخلص ''علیم'' ہے۔ *دریاے روح و تمم نوح* اور *الفتوحات الانسیہ فی تحقیق رموز الصوفیہ* میں ان کا فارسی نمونۂ کلام موجود ہے۔ شاعری میں انھوں نے باقاعدہ تربیت بھی حاصل کی تھی، اس کے باوجود ہمیں بطور شاعر علیم کا ذکر دستیاب فارسی تذکروں میں نہیں ملتا اور فریدون کے *تذکرۃ الشعراء* کی غیر موجودگی میں ان کے دونوں مذکورہ رسالے ہی ان کے فارسی کلام کے واحد مآخذ ہیں۔

رسالہ *دریاے روح و تمم نوح* اپنے اصل موضوع یعنی امیر خسرو کے شعر کی شرح اور نقشبندیات سے قطع نظر، لاہور میں فارسی ادب کی روایت کے سلسلے میں ایک اہم دریافت ہے۔ اس رسالے کے دیباچے میں مصنّف نے اپنے بارے میں اور اپنے وطن مالوف کے بعض رجال کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا ملخص اور مأخوذ اردو ترجمہ ،اوراق ۲ الف -۸ ب سے، انھی کے بیان کے مطابق پیش خدمت ہے:

مصنّف کا تحصیلِ علم وفن

''فقیر علیم اللہ عباسی نے ہندوستان کے بلاد میں تربیت پائی اور وہیں عقلی اور نقلی علوم کے علماے عظام اور فضلاے فخام سے استفادہ کیا اور شعراء کی مجالس اور امراء کے آداب سے اپنے نصیب کے مطابق بہرہ اندوز ہوا اور ہر فن کو اس کے اہل سے سیکھا۔''

فقیر اللہ آفرین لاہوری(۱۴)

''علم شعر و شاعری میں میرے استاد مشہورِ زمان، خاقانی و انوری عصر، فقیراللہ متخلص بہ آفرین لاہوری رحمۃ اللہ علیہ تھے، جن کا فنون شعر و نظم میں کوئی ہمتا نہ تھا۔ وہ ہندوستان کے تمام بلاد میں مشہور ہیں اور ان کے اشعار لوگوں کی زبان پر ہیں۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیخ محمد افضل قادری شہید لاہوری(۱۵)

ایک روز میاں آفرین لاہوری ہمارے شیخ، محمد افضل سے ملنے آئے جو عقلی علوم اور منطق و فلسفہ کے دقایق جاننے میں اپنی مثال آپ تھے اور آخر نادر شاہ کے سپاہیوں کے ہاتھوں لاہور میں شہید ہوئے۔[۱۶] ہمارے شیخ نے ان [آفرین] سے اپنا تازہ کلام بطور یادگار لکھنے کی فرمائش کی۔ مجھے یاد ہے کہ آفرین نے اپنی یہ تازہ غزل ایک کتاب کے پہلے خالی صفحہ پر لکھی تھی:

خوش نگاہان کہ بہ قتلم کمرِ کین بستند
تہمتی بود تغافل کہ بہ تمکین بستند
خندہ زد غنچۂ تصویر و دل ما نشکفت
آہ ازین عقدہ کہ در ساعت سنگین بستند
من کہ چون برق ز آمیزش خود بیزارم
دل من با تو ندانم بہ چہ آئین بستند

[دیگر]

بہ ہستی نیستی را متہم دارد دہان او
چو مُو از گرمی نظارہ بیحد میان او
چو زرین ترکش چون مہر بی مہرانہ می بندد[؟]
جفا جو میرزا طفلی کہ دل باشد نشان او

جمعہ کے دن تمام شاگرد ان کے گھر پر اکٹھے ہوتے اور ہفتہ بھر میں جو کلام لکھا جاتا تھا، استاد کے سامنے پیش کیا جاتا۔ جناب استاد جو شعر پسند کرتے اس پر خوش اور مسرور ہوتے اور کبھی ''واہ واہ'' بھی کہتے اور جو کلام پسند نہ آتا، اس پر ناپسندیدگی ان کے چہرے سے عیاں ہوتی۔'' [یعنی زبان سے کچھ نہ کہتے]

امیر حکیم خان حاکم لاہوری(۱۷)

''ایک دفعہ انھوں نے ایک دور از ذہن قافیے میں شعر کہا تو امیر حکیم خان حاکم نے، جن کا استاد آفرین کے حلقے کے فصیح شعراء میں شمار ہوتا تھا، ایک غزل کہی۔ اس کا مطلع یہ ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عاشق نکند زلف گرہ گیر فراموش
مجنون نکند نالۂ زنجیر فراموش

میں نے جواب میں یہ کہا:

یاد رخ جانان مکن ای پیر فراموش
مہتاب مکن در قدح شیر فراموش
یکدم بخدا دیدۂ حیرت نکشودیم
نقاش نمودیم چو تصویر فراموش
خال تو کند بو ہمہ شب سیب زنخدان
ہندی نکند میوۂ کشمیر فراموش
دیگر بہ سر وقت شہادت نرسیدی
پیغام علیمت کہ چون تیر فراموش

جب انھوں نے ایک دوسری زمین میں ایک اور شعر کہا تو میں نے جواباً یہ قطعہ کہا:

لالہ تا در خون ز شرم دل سیاہی می تپد
سوسن الکن زبان در عذر خواہی می تپد
اضطراب بی سبب را چیست درمان ای طبیب
دل درونِ سینہ ام خواہی نخواہی می تپد"

فریدون مصنّفِ تذکرۃ الشعراء

"ایک دفعہ میں نے ایک شعر کہا تو تذکرۃ الشعراء کے مصنّف فریدون نے اسے پسند کیا اور شعراء کے حالات میں اس ہیچ مدان کا ذکر آفرین لاہوری کے شاگردوں میں کیا۔ وہ شعر یہ ہے:

می کند حلوائے مقراضی دوبالا نشاء را
بوسۂ لعل مزش؟ کوکناری را خوش است"

امیر عبیداللہ عرفان

"مجھے آداب صحبت اور سلاست شعر کا حصول اکثر امیرِ محتشم امیر عبیداللہ عرفان رحمہ اللہ علیہ کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی برکت سے ہوا۔ انہیں مجھ سے بے حد محبت اور انس تھا۔ وہ تین بار ہمارے شہر کے حاکم بن کر آئے اور جائیداد اور زمینوں کے مالک بنے۔ لیکن عمر کے آخر میں امارت اور حکومت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چھوڑ دی اور آفرین ہی کے ایک شعر

آفرین در ترکِ دنیا این قدر تأخیر چیست
جنبشی یک آستین یا پشت پای بیش نیست

کے مصداق حریم عبادت میں مقیم ہو گئے۔ وہ قرآن مجید کا ختم [قرآن کی سات منازل کے مطابق] بطریق فمی سات روز میں کرتے، یعنی سورۂ فاتحہ سے سورۂ مائدہ تک، سورۂ مائدہ سے سورۂ یونس تک، سورۂ یونس سے سورۂ بنی اسرائیل تک، سورہ بنی اسرائیل سے سورۂ شعراء تک، سورۂ شعراء سے سورۂ الصافات تک، سورۂ الصافات سے سورۂ قاف تک اور سورۂ قاف سے آخر قرآن تک تلاوت کرتے تھے۔ یہ رباعی ان کی ہے:

عرفان تو از علم خدا آمده ای
تحقیق که با صدق و صفا آمده ای
زینہار میالای بہ عصیان دامن
بنگر تو که بودی؟ زکجا آمده ای؟

اسی طرح وہ مستزاد رباعی کی صورت میں پاکیزہ مضامین بیان کرتے:

ای آن کہ بہ سر تاج کلاہی بودی
با حشمت و جاه
در چشم جہان صاحب جاہی بودی
با تاج و کلاه
مُردی بہ مشت خاک گشتی یکسان
افسوس، افسوس
در شان تو گویند کہ کاہی بودی
سبحان اللہ

یہاں مجھے شاہجہان آباد کے نادرہ گوشاعر میرزا عبدالقادر بیدل کی ایک رباعی یاد آ گئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طفلی کہ زخاک بازی ای می آراست

دامن افشاند

آثار جوانی کہ رنگش پیداست

گل کرد و نماند

اکنون پیری نفس شماری دارد

بیدل چہ علاج؟

زین نسخہ ہم آخر ورق چند بجا است

باید گرداند

امیر عبداللہ عرفان عالی نسب شریف تھے۔ اہل تشیع گمان کرتے ہیں کہ کوئی صحیح النسب سیّد کبھی سُنّی نہیں ہو سکتا اور تشیع کا کمترین درجہ تفضیلی مؤمن ہونا ہے۔ چنانچہ سرہند کے نامدار امیر اور فوجدار فخرالدین محمد خان نے ایک روز بر سبیل لطیفہ حضرت عرفان سے پوچھا: ''سیّد صاحب! آپ کس مذہب پر ہیں؟'' حضرت عرفان نے جواب میں یہ رباعی کہی:

در راہ طلب بہ چار سو می پوئیم
ہر سو کہ نہیم رو، ترا می جوئیم
دریاب اگر عاقلی مذہبِ ما
ہر شعر کہ گوئیم رباعی گوئیم

یعنی میں چار یار کا محبّ ہوں۔ امیر نے جواب میں کہا: ''اس سے مجھے معلوم ہوا کہ آپ تفضیلی شیعہ ہیں کیوں کہ شعراء کے ہاں پسندیدہ ترین نظم، رباعی کا چوتھا مصرعہ ہوتا ہے۔''

میر فخرالدین شیعی لاہوری اور امیر عبدالہادی

'' لاہور میں شیعہ خاندان کے اکابر میں ایک صاحب میر فخرالدین (۱۸) تھے بلکہ شیعوں کے راہ نما اور شیخ تھے۔ ان کے قبیلے سے ایک شخص امیر عبدالہادی، ہمارے شیخ، محمد افضل شہید کی محفل میں بیٹھتا تھا۔ ایک دفعہ اختلافِ مذاہب کا ذکر چھڑ گیا۔ امیر عبدالہادی نے اشارہ و کنایہ اور تقیہ سے کام لیتے ہوئے یہ شعر پڑھا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصحاب نبی کہ چار یارند
چون چار کتاب در شمارند
در خوبی شان نہ شک، نہ ریبی
زان چار یکی نداشت عیبی

میں امیر عبدالہادی کے دل کی بات کو سمجھ گیا کہ وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ چار کتابوں میں سے تین منسوخ ہیں اور چوتھی کتاب - قرآن مجید - برقرار ہے۔ اس عقیدے کے رو سے تینوں خلفا مسترد اور چوتھے خلیفہ قابل قبول ہیں۔ مصرعہ ''زان چار یکی نداشت عیبی'' میں بھی خلیفۂ چہارم کی معصومیت کی طرف کنایہ ہے اور بظاہر ایہام استغراق پایا جاتا ہے یعنی ''ہیچ عیب نداشت'' (ان میں کوئی عیب نہ تھا)۔''

امیر کبیر صمصام الدولہ نیشاپوری

'' ماوراء النہر کا ایک درویش قلندر ہندوستان میں رہتا تھا۔ ایک روز امیر کبیر صمصام الدولہ نے، جس کا وطن نیشاپور خراسان تھا اور اپنے تشیع میں نہایت سخت تھا، درویش قلندر سے پوچھا: ''تمہارا مسلک کیا ہے؟'' اس نے فی البدیہہ جواب دیا:

رباعی

من رند قلندرم کہ بنگی شدہ ام
فارغ ز وساوس دورنگی شدہ ام
نہ مومنِ ایرانم و نہ مسلمِ توران
و ز ہر دو گذشتہ، فرنگی شدہ ام

امیر سن کر مسکرایا اور کچھ نہ کہا۔''

امیر عبدالرحمان خان بن شادمان خان، حاکم لاہور

'' جب سفر میں مَیں پریشان حال تھا، تو لاہور میں کبھی کبھار امیر عبدالرحمان خان بن شادمان خان کی خدمت میں چلا جاتا۔ وہ امیر کبیر عبدالصمد خان کی حکومت کے رکن تھے اور رشتہ دار بھی۔ مجھ پر فن شعر کی وجہ سے شفقت فرماتے تھے۔ جب مجھے ملول اور غمگین دیکھا تو کہا: ''اے عزیز تم خوش نہیں ہو؟'' [میرا جواب سننے سے پہلے ہی] ان کے خزانہ دار نے جو ایک خوش طبع شخص تھا، یہ شعر پڑھ دیا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گر فلاطون و ور فساغور است
مردِ بی زر ہمیشہ رنجور است

خزانہ دار کی اس خوش طبعی کا میں نے بُرا منایا۔ امیر نے میرا یومیہ مقرر کر دیا جس سے مجھے خوشحالی نصیب ہوئی۔"

پاک پتن کا سفر

"شاہ طہماسب [ثانی، حکومت ۱۱۳۵-۱۱۴۴ھ] کی وفات اور [نادر شاہ کے ۱۱۵۱ھ میں] ہندوستان میں داخل ہونے کے بعد میں نے سیر و سیاحت کے لیے کمر ہمت باندھی اور زندہ اولیاء اللہ اور مشائخ کرام کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہوا۔ میں نے بابا فریدالدین شکر گنج چشتی کی خانقاہ اور روضہ کی زیارت کا ارادہ کیا اور شیخ محمد افضل سرہندی کے ساتھ ان علاقوں کی سیر کی۔"

مولانا برہان الدین خان اور شیخ محمد ہاشم ہانس

"جب ہم اس سیر سے واپس آ رہے تھے تو راستے میں ایک مقام پر امیرِ شجاعت شعار، سخاوت آثار، محبّ العلم و العلماء، مشارک فضل و فضلاء ،مولانا برہان الدین خان خیمہ زن ملے۔ شیخ بلاد و مرجع آن بلاد و عباد محمد ہاشم ہانس بھی امیر کے ہم رکاب اور موجود تھے۔ برہان الدین خان نے اپنا بیشتر وقت مثنوی معنوی کے مطالعہ میں صَرف کیا تھا اور اس کتاب کے مشکل مقامات حل کرنے کی کوشش میں رہتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے شیخ سے مثنوی کا ایک بیت استفسار کیا۔ اگر چہ حضرت شیخ، اسرار طریقت کا درس سب اہل جہان کو دیتے تھے لیکن پڑھنے اور لکھنے میں اُمّی تھے، لہذا مجھے بیت حل کرنے کا اشارہ فرمایا۔ بیت یہ تھا:

کاشکی از سجدہ روگردانی
معنی "سبحان ربّی" دانی(۱۹)

میری سمجھ میں جو کچھ آیا، اسی وقت بیان کر دیا اور اسے پسند کیا گیا۔"

امیر برہان الدین خان کی ملازمت

"امیر برہان الدین خان نے رغبت ظاہر کی کہ میں ان کے ہاں ملازمت اختیار کر لوں۔ میں نے منع کیا اور کوئی دلچسپی ظاہر نہ کی۔ لیکن شیخِ مقتدا کے کہنے پر ان کی ملازمت میں آ گیا۔ اس ملازمت کی وجہ سے میں جناب شیخ کے حلقۂ بندگان [میں رہ کر جو حلاوت حاصل کرتا تھا، اس] سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محروم ہو گیا اور اس کے بدلے امیر کی خلوت کے ہم نشینوں کا زہر پایا اور امیر کے ندیموں کی صف میں شامل ہو گیا۔ میں نے امیر کے خدم وحشم اور مال و منال سے پورا فائدہ اٹھایا۔ امیر بھی میری سرپرستی، حمایت، بخشش اور عطا کرنے، بات ماننے اور امید بر لانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے۔ دیوان کے عہدے پر فائز ہونے سے پہلے اور امور دنیا میں مشغول ہونے سے پہلے ہمارا زیادہ وقت مثنوی کے درس میں گذرتا تھا۔ مفتی شہر اور اکابر علمائے وقت درس سننے کے لیے حاضر ہوتے۔ جو کچھ درس میں بیان ہوتا، مفتی شہر، جن کی خط تعلیق لکھنے میں خوبصورتی ان کے علم و فضل کے علاوہ تھی، حضرت امیر کے ذاتی نسخۂ مثنوی کے حاشیے پر لکھتے جاتے۔ حواشی کی رقت سے اس منصف مزاج امیر کا حال یہ تھا کہ جب مثنوی شریف کے مواعظ و نصائح بیان ہوتے تو کہتے: انصاف تو یہ ہے ہم اس قصّے سے شرمسار ہیں۔ نصیحت کے طور پر چھٹے دفتر میں درزی کی ایک عجیب حکایت بیان ہوئی ہے۔ [حکایت کا بیان حذف کیا جاتا ہے] یہ حکایت بے حد موثر ثابت ہوئی۔ جب ان کی پاک روح اس خاکدان سے افلاک کو منتقل ہوئی اور مجھے بے حد ملال ہوا تو میں نے پیر دستگیر کی خاک بوسی کا ارادہ کیا اور اپنے حسب حال ایک قصیدہ کہا، جس میں حضرت مرشد روح اللہ روحہ کی مدح بھی بیان ہوئی ہے۔ اس قصیدے کے کچھ اشعار یہ ہیں [ملخصاً]:

مرا نصیب ازل بود دشت پیمائی — دگر خرابی و دیوانگی و رسوایی
من آن قماش کہ میراث از پدر دارم — گلیم گوشۂ فقر است و کنج تنہایی
وفا نکرد بہ کس مال، با تو ہم نکند — کہ مالِ یار عزیز است، لیک ہر جایی
بہ رنج حادثہ حصن حصین مادر تست — چو پر ستیز شود خیل غم بہ یغمایی
بہ شکر و صبر توان دید پیش و پس ای دل — کہ شکر صبر بود طوطیای بینایی
بہ فکر آن کہ برایم ز قعر لجۂ غم — ہمیشہ مردم چشم من است دریایی
ترا کہ نعمت علم است و حلم و دانش و فقر — اولوش مدار طمع از کسان دنیایی
دریغ درد کہ بوی وفا نمی آید — ازین چمن کہ بدین خوبی است و زیبایی
اگر ز اہل جہان بر کنار بنشینم — بس است الفت با وحشیان صحرایی
تراست مذہب تدبیرِ مال و جاہ معاش — مراست مشرب رندی و بی سروپایی
تویی کہ دیدۂ ما فرش راہ مقدم تست — چرا بہ لطف و کرم سوی ما نمی آیی؟
وفای اہل جہان باورم نمی آید — کہ نیست در سخن ست عہد گیرایی
ترا غرض بہ وفا و جفای عالم چیست — حدیث غیر چہ گویی و ژاژ می خایی؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جناب قطب جهان چون شفیع و یاورتست چرا جبین ادب بر درش نمی سایی؟

اس کے بعد میں نے لوگوں کی صحبت ترک کر دی اور اہل حکومت کے دروازے پر آنا جانا بھی ناپسند کیا۔ پھر مجھے حج اور زیارت حرمین شریفین کا داعیہ ہوا۔ خدا کے فضل سے یہ آرزو پوری ہوئی۔ حج بیت اللہ کے بعد شام کے مقدس مقامات کی سیر کی۔ کچھ ہی عرصہ گذرا ہو گا کہ خیال آیا کہ مُلک روم کی سیر کرنی چاہیے جو دارالخلافہ بھی ہے۔ کچھ عرصہ وہاں اہل حکومت اور علمائے کرام کی حمایت میں گذرا۔ آخر سب کچھ چھوڑ چھاڑ، اور ایک بار پھر جاہ و منصب سے دل ہٹا کر، عراق کی جانب رخ کیا، لیکن دل شام جانے کو مائل تھا۔ جیسا کہ میں نے اس رباعی میں کہا ہے:

رخم به سوی عراق است، دل به جانب شام
رَوم پِی دل شیدا، مرا دلست امام
دلا به کُنج قناعت نشین و سلطان باش
اگر وظیفهٔ سلطانیان نشد انعام

اب کئی سالوں سے مدینۂ اسلام دمشق الشام میں انبیاے کرام کے منازل [مزارات] کے پاس عیش و امن، صبر و قناعت اور شکر و عافیت کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہوں۔ اگرچہ اکابر اور امراء کے دروازے پر جانا اب اس فقیر کی خصلت نہیں رہی، لیکن خدا کے فضل سے شہر کے سبھی بزرگ زمانے کے عام لوگوں کی طرح میرے مدّاح اور احباب سے ہیں۔ یہ سب کچھ اس بے نفاق قوم کے حسن اخلاق کی وجہ سے ہے، ورنہ میں اس لائق کہاں، نہ ہی میرا استحقاق ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ تدریس اور علمی مشاغل میں قلت کی وجہ سے اکثر لوگوں پر فضل و کمال کا جوہر نہیں کھلتا اور ناواقفی سی رہتی ہے۔ یہاں فارسی زبان ،جو عجمیوں کے ہاں صحیفۂ فصاحت و بلاغت ہے، کا ذکر ہی کیا۔ اس عرب مُلک میں زبانوں کے اختلاف کے باعث فارسی میں شعر و شاعری ایک مہمل سی بات ہے اور اسے ناتمام چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہاں عربی محاورے ''**افضل اللغات اللسان الافصح العربی**'' کے مصداق عربی زبان ہی غالب ہے۔

اس وقت عثمانی خلیفہ کی طرف سے امیرعبداللہ پاشا ملقب بہ چتجی، سپہ سالارِ روم و شام ہیں۔ دمشق کے بلوائیوں اور بادیہ نشینوں نے جب ۱۱۷۱ھ/۱۷۵۸ء میں فتنہ کھڑا کیا تو مخدومی حضرت مولانا وزیر آصف جاہ نے اس فتنے کو ختم کرنے اور باغیوں کو سزا دینے کے لیے انہیں شام کی امارت پر فائز کیا تھا۔ حجاج بیت اللہ اور روضۂ نبوی کے زائرین کی حفاظت کا ذمّہ بھی انہیں دیا گیا۔ انھوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان فتنہ پردازوں کا قلع وقمع کیا تو اس فقیر کو بے حد اطمینان ہوا کیوں کہ میں خود ان باغیوں کا منکر تھا۔ باوجود اس کے کہ میں امیر مذکور کے لیے دعاگو ہوں اور وہ صرف امیر ہی نہیں ،صاحب علم و معرفت بھی ہیں، کبھی ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ استاذی مخدومی شیخ محمد فاضل قادری وعظ کی مجلس میں فرمایا کرتے تھے:

نمی گویم کہ از عالم جدا باش
بہ ہر حالی کی باشی با خدا باش

اور اس امیر شام کی ذات بھی ایسی ہی ہے کہ ہزاروں حکومتی کاموں کے باوجود خلق خدا کی خوش حالی اور رفاہ میں مصروف رہتے ہیں اور رعایا پُرامن زندگی گذار رہی ہے۔ باغیوں کی سرکوبی کے وقت امیر کے لشکر نے جو غارت گری کی وہ بھی اہل شہر کے جرائم کا مکافاتِ عمل تھا۔ اس شہر کے لوگ جانتے ہیں کہ امیر کو باغیوں کے علاوہ دمشق کے لوگوں سے انتقام لینے کا داعیہ نہیں ہے۔''

رسالے کا دیباچہ اس جملے پر ختم ہوتا ہے: ''این بندۂ ہیچ مدان جزوی چند در معنی بیت مسٔول عنہ چون ہدیۂ اخوان یوسف ارسال داشتہ، بہ کرم وعفو منظور فرمودہ، احقر را مشرف و ممتاز سازند۔'' معلوم نہیں ''ہدیۂ اخوان یوسف'' سے مصنّف کی مراد یہ ہے کہ وہ دمشق سے یہ رسالہ لکھ کر اپنے ہم وطنوں کو ہندوستان بھیج رہے ہیں؟ یا انھوں نے اسے شام کے مذکورہ بالا امیر کی خدمت میں پیش کیا ہے؟

دیباچے کے مضامین یہاں پر ختم ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اس فارسی شعر کی شرح ہے۔ اس تشریح کے ضمن میں بھی مصنّف نے اپنے اور اپنے مشایخ کے بارے میں قیمتی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ بعض واقعات اہل ہند سے متعلق بھی ہیں۔

استنبول میں ایک مکالمہ

''استنبول میں ایک روز حکومت کے بعض اکابر کی مجلس میں ایک عزیز نے مجھ سے پوچھا کہ سرورعالم ﷺ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا ''**ما عرفناك حق معرفتك و ما عبدناك حق عبادتك**'' جب کہ امام ابو حنیفہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے: ''**ما عبدناك حق عبادتك لكن عرفناك حق معرفتك**'' اور اس کا اشکال اور تناقض بالکل واضح ہے۔ ایک عالم کی کیا مجال کہ خیر البشر ﷺ کے قول کی موجودگی میں اس کی نفی کرے؟ میں نے یہ جواب دیا کہ معرفت دو قسم کی ہے، ایک تقلیدی و ایمانی اور دوسری تحقیقی و ایقانی یا ہم کہہ سکتے ہیں معرفت اجمالی و معرفت تفصیلی۔ پس قول نبوی ''**ما عرفناك حق معرفتك**'' معرفتِ تحقیقی و ایقانی ہے اور قول امام ''**لكن عرفناك حق معرفتك**'' ایمانِ تقلیدی و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجمالی کی طرف اشارہ ہے۔''(ورق/۱۱ الف)

دمشق میں ایک مکالمہ

''ایک روز ہم دمشق میں نہر بردا کے کنارے بعض صوفی مشرب دوستوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ ابن عربی بعض جگہ فرماتے ہیں ''**غوضنا فی بحر کان الانبیاء علیھم السّلام علی ساحله**'' فقیر نے سامع کے فہم کے مطابق یہ جواب دیا کہ ہاں، انبیاء ساحل پر ہیں، وہ ساحل جو دوسری طرف ہے۔ اور اس ساحل تک وہی پہنچ سکتا ہے جو اس دریا کو سیاحت سے یا تیر کر عبور کرلے۔''(ورق/۷ اب)

نقشبندیہ کے مشایخ خمسہ

''میرے بعض برادران طریقت کا کہنا ہے کہ دوسرے سلاسل طریقت میں ایک ہی فرد شیخ مقتدا اور امام پیشوا ہوا ہے، لیکن سلسلۂ نقشبندیہ میں ''پنج تن'' ہوئے ہیں جن میں ہر ایک، اصحاب ابرار کا مقتدا ہو سکتا ہے۔ ان میں سے اول خواجہ عبدالخالق غجدوانی ہیں جن سے سلسلۂ خواجگان منسوب ہے۔ اگرچہ انھوں نے ماوراء النہر سے باہر سفر نہیں کیا، لیکن شام، مدینہ، رملہ فلسطین میں ان کی خانقاہیں اور مقام ظاہر تھے۔ دوسرے خواجہ بہاء الدین محمد نقشبند بخاری ہیں جن سے طریقۂ نقشبندیہ منسوب ہے۔ پھر خواجہ عبیداللہ ناصرالدین احرار ہیں، جن سے سلسلۂ احراریہ منسوب ہے۔ یہ تینوں مشایخ ماوراء النہر میں تھے۔ چوتھے ہمارے شیخ اور امام، مجدّد الف ثانی، شیخ احمد فاروقی سہرندی ہیں جو علوم و معارف میں بے نظیر تھے اور ہر سالک اور مرید پر ان کی توجہ کا اثر ہوتا تھا۔ البتہ جن لوگوں کو ان کے صافی مشرب سے بہرہ نصیب نہیں ہوا انھوں نے ہرزہ گوئی اختیار کی اور ان کا انکار کرتے ہوئے طعن و تشنیع سے کام لیا۔ ان کے بیٹوں میں سے خواجہ محمد معصوم سہرندی کے اصحاب اور احباب، ممالکِ روم و شام اور اکثر بلادِ اسلام میں موجود ہیں۔ ناصر علی [سر] ہندی نے خواجہ محمد معصوم کی مدح میں یہ شعر کہا ہے:

چراغ ہفت کشور خواجہ معصوم
رسیدہ صیتِ او از ہند تا روم

گویا انھوں نے غیب کے پردوں کے پیچھے سے دیکھ لیا تھا۔ آج اس شعر کا مضمون اپنی سچائی کے ساتھ ظاہر ہو چکا ہے۔ پانچویں عارف فاضل اور مرشد کامل شیخ محمد مراد[20] المعروف کسیح[21] ہیں۔ انھوں نے وسائل میسر نہ ہوتے ہوئے بھی دنیا کی سیر کی۔ اصفہان میں صائب اصفہانی [۱۰۱۶-۱۰۸۱ھ] سے ملے۔ کئی بار حج پر گئے۔ آخر دمشق میں بس گئے۔ دو دفعہ استنبول گئے اور لوگوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو طریقۂ احمدیہ نقشبندیہ کی دعوت دی۔ سلاطین اور امرائے دولت نے ان کی بابرکت صحبت سے استفادہ کیا اور ان کی اولاد اور وابستگان کی وساطت سے ان کا تقرّب حاصل کیا۔ وفات کے بعد انھیں استنبول میں حضرت ابوایوب انصاری کے مزار کے قریب مدرسۂ شیخ الاسلام داماد زادہ میں دفن کیا گیا۔ الحمدللہ آج ان کی اولاد سے مولانا علی افندی بن شیخ محمد افندی بن شیخ محمدمراد موجود ہیں۔ مختصر یہ کہ شیخ مراد نقشبندی کی روم و شام میں اقامت کے باعث وہاں طریقۂ نقشبندیہ رواج پذیر ہوا اور خاص طور پر میاں محمد معصوم [سرہندی] کو یہاں شہرت ملی اور ناصر علی [سرہندی] کا وہ شعر دیوان حافظ کی فال کی طرح سچ ثابت ہوا۔

دیگر متأخر مشایخ میں سے شیخ آدم بنّوری ہیں جو تکملۂ مشایخ خمسہ اور خاتمِ سلسلہ ہیں۔ جو ہندوستان سے حجاز منتقل ہو گئے تھے اور وفات کے بعد قبۂ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس مدینۂ منورہ میں دفن ہوئے۔'' (ورق/۲۸ الف-۲۸ب)

دارا شکوہ کا ذکر

رسالے میں وحدت وجود کی تائید میں ابن عربی، محمد شیرین مغربی، ابومدین المغربی، احمد غزالی اور مولانا جامی کے اقوال اور اشعار درج کرنے کے بعد مصنّف نے داراشکوہ کے ایک شعر کا حوالہ یوں دیا ہے:

''شاہ زادۂ عالی ہمت محمد داراشکوہ برادرِ اورنگ زیب عالم گیر شاہ ابن شاہ جہان کہ جامع علوّ قدر و جاہ و نائل گوہر یگانۂ معرفت اللہ بود و او را در تصوّف و توحید رسائل و کتب است نفیسہ کہ بردعوی صدق وی گواہ عادل می تواند بود، منہا رسالہ *حق نما*، آنجا می گوید:

بیت

دگر مبین تو در ہر دو جہان
اینست مقاصد فتوحات و فصوص

و این عزیز، محبوب و مقبول پادشاہ بود از ہمہ اولاد؛ شاہجہان از غایت میلی کہ بہ وی داشت او را ولی عہد خود ساختہ بود تا بعد وفات پدر، اورنگ نشینِ او گردد۔ ناگاہ از قضای آسمانی پادشاہ عالم و عادل، عالمگیر -برادرش -بر پدرِ خود ظفر یافتہ، در زندان تنگ بیدرنگ محبوس نمود۔ پدرش از روی عتاب و بہ رسم استعطاف بہ پسر خود نوشت ''ناحق شناسا! دیروز صاحب نہ لک سوار بودم، امروز بہ یک آبدار محتاج۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی

۱۔ عارف نوشاہی،'' مخطوطات مدینۂ منورہ'' ،فکر ونظر، اسلام آباد، جلد۴۳، شمارہ ۳، ذوالحجہ ۱۴۲۶، محرّم ۱۴۲۷ھ/ جنوری-مارچ ۲۰۰۶ء، صفحات ۸۳-۱۲۲

۲۔ دریاے روح و تتمہ نوح،ورق/۲ الف

۳۔ ایضاً،ورق/ ۳۰ الف

۴۔ صوفی جمیل بیگ کے ایک اور مریدسلطان عارب [!] شیخ نور الٰہی تھے، ان کے مرید خواجہ عبد الرحیم تھے اور ان کے مرید نوراحمد تھے۔ ہمیں نوراحمد کا ایک فارسی قلمی رسالہ شرف العشق قلمی نسخہ مملوکہ صاحب زادہ حسن نواز، نڑالی، تحصیل گوجر خان، ضلع راول پنڈی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے جس کا ترقیمہ یوں ہے ''تمت تمام شد رسالہ شرف العشق تصنیف فقیر نور احمد بن حاجی عبدالرحیم نقشبند [کذا] در قصبہ سرکڈہن ملک پہوتہار سنہ ۱۲۲۵''، اس رسالہ کے ساتھ نور احمد نے اپنی دو پنجابی سی حرفیاں اور اپنے والد حاجی عبدالرحیم کی ایک پنجابی سی حرفی بھی نقل کی ہے۔ ان کے اختتام پر ''شجرۂ سلسلۂ خانوادۂ نقشبندان[کذا]'' لکھا ہے۔ اس میں نور احمد کے متاخر مشائخ کے اسماء یوں درج ہوئے ہیں: الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ آدم بنوری، الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سعدی جیو حضرت، الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ عبداللہ عارف، الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ حافظ عبد الغفور کشمیری، الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ میر سید جمیل بیگ، الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سلطان عارب شیخ نورالٰہی، الٰہی بحرمت شیخ المشائخ شیخ خواجہ عبدالرحیم شیخ المشائخ، غلام جملہ نور احمد آخرالزمان ابن حاجی عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین''۔ علیم اللہ عباسی نے اپنا جو شجرۂ طریقت لکھا ہے اس میں حافظ عبدالغفور اور شیخ سعدی لاہوری کے درمیان خواجہ عبداللہ عارف کا ایک واسطہ نہیں ہے۔

۵۔ دریاے روح وتتیم نوح،ورق/ ۶ ب

۶۔ ایضاً،ورق/ ۲ب؛ راقم السطور کو فریدون نامی مصنف کے کسی تذکرۃ الشعراء کا سراغ کہیں نہیں ملا۔ فارسی شعراء کے کتابیاتی اور تنقیدی جائزوں مثلاً تذکرہ نویسی فارسی در ہند وپاکستان از ڈاکٹر علی رضا نقوی،مطبوعہ تہران اور تاریخ تذکرہ ہای فارسی از احمد گلچین معانی،مطبوعہ تہران میں بھی ایسے کسی تذکرے کا ذکر نہیں ہوا ہے۔ اگر یہ تذکرہ دستیاب ہو جائے تو لاہور کے کچھ نئے فارسی شعراء کے حالات سامنے آ سکیں گے۔

۷۔ محمد خلیل المرادی ،سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر، طبع بولاق، ۱۳۰۱ھ، جلد۳، ص ۲۶۰-۲۶۲

۸۔ عبدالحی بن فخرالدین حسنی بریلوی، نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع و النواظر، طبع حیدرآباد دکن، ۱۳۷۹ھ، ج۶، ص۱۹۰-۱۹۱

۹۔ اسماعیل پاشا بغدادی، ھدیۃ العارفین طبع افست ،کتابخانۂ آیت اللہ مرعشی،قم، ص۶۶۷

۱۰۔ ایضاً، ص۶۶۷

۱۱۔ راقم السطور نے اس نسخے کی عکسی نقل مئی ۲۰۰۷ء میں اپنے سفر ترکی کے دوران ڈاکٹر نجدت طوسون اور مصطفیٰ توپتان کی مدد سے حاصل کی ،جس کے لیے ان دونوں عزیزوں کا ممنون ہوں۔اس رسالہ کا مختصر تعارف اسی عکسی نسخہ کے مختلف صفحات کے حوالہ سے لکھا گیا ہے۔

۱۲۔ فہرست مخطوطات دارالکتب الظاھریۃ (قسم التصوف)، تألیف محمد ریاض مالح، دمشق، ۱۹۷۸ء، جلد۱،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ص ۳۲-۱۷۳۱ء

۱۳۔ ایضاً، ج۲، ص۸۴

۱۴۔ فقیر اللہ آفرین، لاہور کے محلّہ بخارایی میں رہتے تھے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی ۱۱۴۳ھ/۳۱-۱۷۳۰ء میں سندھ جاتے ہوئے اور پھر ۱۱۴۷ھ/ ۳۵-۱۷۳۴ء میں سندھ سے واپس اپنے وطن جاتے ہوئے لاہور میں آفرین سے ملے تھے۔ آفرین کا ۱۱۵۴ھ/۱۷۴۱ء میں لاہور میں انتقال ہوا۔ شاہ عبدالحکیم حاکم نے ''رفت نقاد معنی از عالم'' سے تاریخ نکالی۔دیکھیے :غلام علی آزاد بلگرامی، *سرو آزاد*،لاہور،۱۳۲۷ھ، ص۲۰۵-۲۰۶،ایضاً، *خزانہ عامرہ*،کانپور،۱۸۷۱ء، ص۲۸-۳۵ ؛عبدالحکیم حاکم لاہوری، *مردم دیدہ*، بہ اہتمام سید عبداللہ،لاہور،۱۹۶۱ء، ص۱۷-۲۲؛ حسین قلی خان عظیم آبادی،*نشترِعشق*، تصحیح از اصغر جانفدا،دو شنبہ،۱۹۸۱ء،ج۱، ص ۱۴۷-۱۴۹

۱۵۔ مصنف نے شیخ محمد افضل کو ایک منطقی اور فلسفی کے طور پر ممتاز کیا ہے،لیکن مجھے لاہور کے علماء یا مشائخ کے عام تذکروں میں یہ نام نہیں ملا۔ ان کے ایک معاصر شیخ محمد افضل قادری ہیں جو لاہور کے مضافات کلانور میں رہتے تھے لیکن ان کا سال وفات ۱۱۲۲ھ/ ۱۷۱۰ء ہے (اسرار الحسنین قادری فاضلی، *تذکرہ مشائخ قادریہ فاضلیہ*،لاہور،۱۹۹۸ء،ص ۱۶۶-۱۷۵) جب کہ شیخ محمد افضل ہنگامۂ نادری یعنی ۵۲-۱۱۵۱ھ/۳۹-۱۷۳۸ء کے لگ بھگ شہید ہوئے۔مولوی فقیر محمد جہلمی کی تصنیف *حدائق الحنفیہ* کے مرتّب خورشید احمد خان یوسفی نے شیخ محمد فاضل قادری مجدّدی بٹالوی (م۱۱۵۱ھ/۱۷۳۸ء) کو شیخ محمد افضل قادری لاہوری کا مرید بتایا ہے(*حدائق الحنفیہ*،لاہور،[۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء]، ص۴۶۱ حاشیہ) لیکن ان شیخ محمد فاضل لاہوری کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔

۱۶۔ نادر شاہ افشار نے ۵۲-۱۱۵۱ھ/۳۹-۱۷۳۸ء میں ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ اسی دوران شیخ محمد افضل شہید ہوئے ہوں گے۔

۱۷۔ حکیم بیگ خان متخلص بہ حاکم، شادمان خان اُزبک کے بیٹے جو بلخ سے ہندوستان آئے تھے اور عالمگیری عہد میں منصب ہفت صد ی، فرخ سیر کے زمانے میں منصب سہ ہزاری اور محمد شاہ کے زمانے میں منصبِ پنج ہزاری پایا۔ حاکم ،آفرین کے شاگرد تھے۔ انھوں نے اپنا فارسی دیوان چار ہزار اشعار پر مشتمل، مرتّب کر کے سراج الدین علی خان آرزو کو دکھایا تھا۔ آرزو نے ان کی شاعری پر یہ تبصرہ کیا ہے: ''بسیار طبع ہموار و خیلی سلاست مزاج دارد... تلاش معنی تازہ دارد''، *مجمع النفایس*، بہ کوشش زیب النساء علی خان ،اسلام آباد،۲۰۰۴ء ج۱،ص۳۹۴ ۔ آفرین کے ایک اور شاگرد، شاہ عبدالحکیم حاکم لاہوری (م ۱۱۸۲ھ/۶۹-۱۷۶۸ء) صاحب تذکرۂ *مردم دیدہ* بھی تھے۔ علی ابراہیم خان خلیل بنارسی نے تذکرہ *صحف ابراہیم* (طبع میر ہاشم محدث، تہران، ۱۳۸۴ ش / ۲۰۰۵ء، ص۱۱۱) میں حکیم بیگ خان حاکم لاہوری بن شادمان خان کو تذکرۂ *مردم دیدہ* کا مصنّف لکھا ہے!

۱۸۔ آزاد بلگرامی نے *خزانۂ عامرہ*، ص ۲۹ میں آفرین لاہوری کے ذکر کے ضمن میں لکھا ہے: ''روزی بہ خانۂ میرجمال الدین و میر فخرالدین حسین کہ از اکابر لاہور بودند، جمعی از سخن سنجان اجتماع داشتند''، شاید یہ اشارہ اسی میر فخرالدین کی طرف ہو۔

۱۹۔ یہ بیت *مثنوی مولوی* کا نہیں ہے۔ وزن بھی *مثنوی مولوی* کا نہیں ہے۔

۲۰۔ مصنف کے اپنے الفاظ یہ ہیں: ''عارف فاضل و مرشد کامل شیخ محمد مراد المعروف بکبج ؟ باوجود عدم مساعدت قدم بر سر مریدان و خدم کرد، عالم گردیدہ و در [ا] صفہان صائبا اصفہانی را دیدہ و بارہا بہ حج رسیدہ، آخر الامر در دمشق الشام-منازل انبیاء کرام-رخت اقامت انداختہ و مرّتین در دارالسلطنہ اسلامبول خلق را بہ این طریق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احمدیہ نقشبندیہ رہنمایی کردہ و سلاطین و امرای دولت از صحبت با برکت ایشان استفادۂ قربت نمودہ اند و باسعاد ومساعدت فرزندان و وابستگان ایشان تقرب جستہ۔ چون روح قدسی آشیان داعی حق را اجابت کردہ، در مدرسۂ شیخ الاسلام داماد زادہ در قریب مزار متبرک ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ مدفون و مخزون شد۔ الحمدللہ، امروز جمالِ شام و مرجع انام مولانا علی افندی بن شیخ محمد افندی بن شیخ محمد مراد خلف صدق این شجرۂ ثمرہ و ذریۂ طیّبۂ ایشان موجود اند... القصّہ بسبب اقامت این بزرگوار شیخ مراد نقشبندی در ولایت روم و شام طریقۂ علیہ رواج یافتہ و ذکر میان محمد معصوم خاصۂ شہرت پذیرفتہ و قول شاعر مغلق ناصر علی چون فال *دیوان حافظ* راست و مطابق برآمدہ۔'' (ورق /۲۹الف/ب) شیخ محمد مراد کے حالات دیگر مآخذ میں بھی موجود ہیں۔ وہ ۱۰۵۰ھ/۱۶۴۰ء میں سمرقند میں پیدا ہوئے۔ ہندوستان جا کر خواجہ محمد معصوم کے مرید ہوئے۔ دمشق میں شادی کی۔ ۱۰۹۲ھ/۱۶۸۱ء میں استنبول گئے اور وہیں ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۳۲ھ/۱۷۲۰ء کو انتقال کیا۔ ان کے بیٹے محمد بہاء الدین مرادی (۱۰۹۴-۱۱۶۹ھ) دمشق میں اپنے والد کے خلیفہ تھے اور وہیں انتقال کیا۔ ان کے بیٹے علی مرادی (۱۱۳۲-۱۱۸۴ھ) کا انتقال بھی دمشق میں ہوا۔ علی مرادی کے بیٹے محمد خلیل مرادی (۱۱۷۳-۱۲۰۶ھ) رجال پر معروف کتاب *سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی العشر* کے مصنف ہیں جس میں انھوں نے اپنے خاندان کے بارے میں بہت مفید اور صحیح معلومات دی ہیں۔ مثلاً محمد مراد کے لیے دیکھیے: ج۴، ص۱۲۹۔۱۳۰؛ محمد بہاالدین کے لیے: ج۴، ص۱۱۴۔۱۱۵؛ علی مرادی کے لیے: ج۳، ص۲۲۰۔۲۲۸؛ *مقامات معصومی* مؤلفہ میر صفر احمد معصومی میں خواجہ محمد معصوم کے خلفاء کے ضمن میں شیخ محمد مراد شامی کا ذکر موجود ہے (طبع لاہور، ۲۰۰۴ء، ج ۲، ص ۶۰۹۔۶۱۱؛ ج ۳، ص۴۶۹۔۴۷۰)۔ *مقامات معصومی* کے فاضل مرتّب پروفیسر محمد اقبال مجدّدی نے تعلیقات (ج۴، ص۳۶۶۔۳۷۱) میں مصنف کے بعض تسامحات کی نشان دہی ہے اور شیخ مراد اور ان کے خاندان پر قیمتی معلومات کا اضافہ کیا ہے۔

۲۱۔ شیخ محمد مراد کا عرف ''کسج'' ہنوز تحقیق طلب ہے۔ نسخہ میں اسی طرح کتابت ہوا ہے، شاید کوسج رکسج ہو یعنی کودا ،جس شخص کی داڑھی نہیں اگتی۔ ہمیں ایک ایرانی شاعر خواجہ محمد امین کاشی کے نام کے ساتھ ''کوسج'' لکھا ملتا ہے جو عہد جہانگیر میں ہندوستان آیا تھا۔ دیکھیے: علی قلی والہ داغستانی، *ریاض الشعراء*، بہ تصحیح سید محسن ناجی نصرآبادی، تہران، ۲۰۰۵ء، جلد۱، ص۲۴۷

© rasailojaraid.com

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله وصلی الله علی سیدنا محمد وآله وسلم

سپاس بیقیاس مر حضرت پروردگار را که بحکم کنت کنزاً
مخفیاً مکنونات عالم را از زاویهٔ خفای به بیدای ظهور فخلقت الخلق
لاعرف برآورده و بالهام ثنا و محامد کی انهار ربانی به تسبیح
و تهلیل [illegible] و ان من شیء الا و یسبح بحمده و ابنای
آدم را به تشریف و لقد کرمنا بنی آدم مکرم گردانیده و بسیاحت
بر و بحر [illegible] و حملناهم فی البر والبحر تا برؤیت آیات
قدرتش نیل [illegible] سنریهم من آیاتنا فی الآفاق و فی انفسکم
تا حق مبین بر دیده و بصیرت ایشان تجلی فرماید حتی یتبین لهم انه الحق
و آفتاب حقیقت پردهٔ غفلت از چشم حق بین ایشان بسوزد و
ریب و منون از دل آیینه حق نمای این فتیان رخت بردارد و باشارهٔ
الا انهم فی مریة من لقاء ربهم متنبه شده رمز احاطهٔ وجود مظاهر و باطن
از خطاب الا انه بکل شیء محیط فهم کنند بیت بدر و تعیّن پردهٔ جای
خیال ؛ نماند سراپردهٔ الا جلال ؛ و هزاران صنوف صلوات
و انواع تحیات نثار روح پرفتوح سید الرسل هادی السبل
امام انبیاء و محبوب خدا احمد مجتبی محمد مصطفی صلی الله علیه وآله وسلم که

دریاے روح و تیمّم نوح، نسخۂ مدینہ، صفحۂ اوّل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

با اولاد مهان کن آشنایی — بسلف را از خلف نبود جدایی
روایت دارم از خیر البشر نیز — که خوانند این نکته بر ارباب تمیز
هر آنکو با بنی هاشم وفا کرد — ز هر چیزی که حاجت اقتضا کرد
بیا کو پیش من بر حوض کوثر — شود آنجا مکافاتش میسر
هر آنکس کرد با ایشان نکویی — ببیند روز محشر تازه رویی

القصه بسبب اقامت این بزرگوار شیخ مراد نقشبندی در ولایت روم و شام طریقه علیه رواج یافته و ذکر میان محمد معصوم خاصه شهرت پذیرفته و قول شاعر مغلق ناصر علی چون فال دیوان حافظ درست و مطابق بر آمده بیت چراغ هفت کشور خواجه معصوم :: رسیده صیت او از هند تا روم :: و دیگر از مشایخ متاخرین مقتدانا و ذخیره یوم معادنا شیخ آدم بنوری نفعنا الله بعلومه و بکلیمه که تکمله مشایخ خمسه و خاتم سلسله این طریق اند سلطان وقت شاهجهان بادشاه هند را بعضی خدم بی عاقبت از روی خیانت زهر در کاسه کرده بود در آن ساعت که شاه از دست آن روسیاه تناول میخواست وجود شیخ از غیب حاضر شد کاسه بلورین از کفش ربائیده بر زمین زد و خورد شکست و باز صورت مثالی از چشمش ناپیدا شد لذالک جناب شیخ از زیارت شاه محترز می بود مبادا که بحکم الکرامات حیض الرجال بادشاه از حقیقت حال مطلع گردد چون بارها تقاضا کردند و شیخ ابا فرمود مثال صورت تمثال سلطانی به جلاء وطن و تسخیر قطب ربانی بزیارت کعبه سبحانی صادر شد شیخ این معنی از عین لطف رحمانی فهمیده امتثال امر و اطیعوا واجب داشته و اجابت داعی و اذن للناس فی الحج فرض پنداشته از شبستان هندوستان بصبح تباشیر حجاز انتقال فرمود و تا بعد مدت انقضاء عمر در جوار قبه عثمان رضی الله عنه در مدینه منوره مدفون آمد

دریاے روح و تتمیم نوح، نسخۂ مدینہ - آخر سے ما قبل صفحہ

© rasailojaraid.com